© rasailojaraid.com

اخاہ فوق ثلاث (ترمذی صہ ۱۳ ج ۲) دن سے زیادہ اپنے بھائی کو چھوڑ دے،

ضرر رسانی اور تکلیف دہی سے منع کیا اور مکر و فریب سے سختی کے ساتھ روکا، ایک دفعہ فرمایا

ملعون من ضار مومناً او مکر بہ (ترمذی صہ ۱۶ ج ۲) اس پر خدا کی لعنت ہے جو کسی مسلمان کو نقصان پہنچائے یا فریب دے

جھوٹ بولنے والوں کے لئے وعید شدید بیان فرمائی اور سچ بولنے والوں کو سراہا،

عَلَيْكُمْ بالصدق فان الصدق یھدی الی البر والبر یھدی الی الجنۃ... وایاکم والکذب فان الکذب یھدی الی الفجور والفجور یھدی الی النار (ترمذی صہ ۱۹ ج ۲)

تم پر سچائی ضروری ہے کیونکہ سچ بولنا نیکوکاری کی راہ دکھاتی ہے اور نیکوکاری جنت کی، اور جھوٹ بولنے سے قطعی پرہیز کرو، کیونکہ جھوٹ بدکاری کی طرف لے جاتی ہے اور بدکاری آگ کی طرف،

حسن خلق کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا

خیارکم احسنکم اخلاقاً (ترمذی صہ ۱۹ ج ۲) تم میں بہتر وہ ہے جو اخلاق میں سب سے اچھا ہے

جو کچھ عرض کیا گیا، وہ سمندر میں سے چند قطرے ہیں، پھر بھی گذارش ہے کہ ان مسئلوں کو گہری نظر سے مطالعہ کریں اور یہ چیز بھی غور کرنے کے لائق ہے، کہ یہ تعلیمات آپ نے دنیا کے سامنے اس وقت پیش کیں، جب وہ فسق و معصیت، ظلم و جبر، عصبیت و جہالت اور شر و فتن میں پھنسی ہوئی تھی، ہدایت اور حقانیت کا چراغ گل ہو چکا تھا، اور روئے زمین آبِ رحمت کے ایک ایک قطرے کو ترس رہی تھی،

سطور بالا میں اسلام کے اجتماعی، معاشرتی، اقتصادی، عمرانی اور مملکتی کارناموں کی طرف اجمالی اشارہ کیا گیا ہے، اس دور میں بھی اس تابناک روشنی اور عالم تاب آفتاب ہدایت کی ضرورت پڑی ہے انشاء اللہ قوم و ملک دونوں کی گتھی اس میں غور و فکر کرنے سے سلجھ سکتی ہے اور اس پر عمل کرنا حکومت و ملت کی ترقی و عروج کا ذریعہ ثابت ہوگا، وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ، صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حضرت علیؓ کا نکاح ثانی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی

از

(سعید احمد)

لاہور سے ایک بہن لکھتی ہیں :-

"میں چند روز ہوئے ایک کتاب پڑھ رہی تھی کہ اس میں دیکھا ایک مرتبہ حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہ زہرا کی زندگی میں ہی ایک اور لڑکی سے شادی کرنے کا ارادہ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات معلوم ہوئی تو آپ کو بڑا غصہ آیا اور آپ نے مسجد میں جاکر مجمع عام کے سامنے اپنے شدید غیظ و غضب کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ میں ہرگز ایسا نہیں ہونے دوں گا۔ پیغمبر کی بیٹی کے ہوتے ساتھ اس پر ابوجہل کی بیٹی کو کیوں کر سوکن بناکر لایا جا سکتا ہے۔"

یہ واقعہ پڑھ کر قدرتی طور پر چند سوالات پیدا ہوتے ہیں، امید ہے کہ آپ ان کا جواب عنایت فرماکر میری تسلی کر دیں گے،

(۱) پہلا سوال تو یہ ہے کہ حضرت علیؓ کے لئے اس سے بڑھ کر فخر کی کوئی بات نہیں ہو سکتی تھی کہ ان کو سرورِ کائنات کی سب سے زیادہ چہیتی اور لاڈلی بیٹی کے شوہر ہونے کا شرف حاصل تھا اس لئے ان کو حضرت فاطمہ پر سوکن لانے کا خیال پیدا ہی کیوں کر ہوا؟ ایک ادنیٰ درجہ کا مسلمان بھی ایسا خیال نہیں کر سکتا چہ جائیکہ حضرت علی!

(۲) اچھا اگر حضرت علیؓ نے ایسا ارادہ کیا ہی تھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پر اتنا غصہ کیوں آیا، اور آپ نے یہ کیسے فرمایا کہ "میں ہرگز ایسا نہیں ہونے دوں گا" جب کہ اسلام میں چار عورتوں تک سے نکاح کرنا جائز ہے اور خود آں حضرت نے بھی اس سے بھی زیادہ نکاح کئے تھے؟ خود کئی کئی نکاح کرنا لیکن اپنے داماد کو سختی کے ساتھ تعددِ ازدواج سے روکنا گستاخی معاف انصاف سے بعید اور کم از کم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک پیغمبر کی شان سے گری ہوئی بات معلوم ہوتی ہے۔

(۳) پھر سب سے زیادہ جو بات کھٹکتی ہے وہ یہ ہے کہ آپ نے ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ کے رسول کی بیٹی اور اللہ کے دشمن کی بیٹی دونوں ایک جگہ اکٹھی نہیں ہو سکتیں! اب سوال یہ ہے کہ ابو جہل چاہے کیسا ہی ہو لیکن اس کی بیٹی تو بہرحال مسلمان تھی اور اسی وجہ سے حضرت علیؓ کا اس کے ساتھ نکاح ہو سکتا تھا، ورنہ مشرکہ سے نکاح جائز ہی کہاں ہے؟ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ مسلمان ہونے کے بعد سب گناہ دھل جاتے ہیں اور یوں بھی کسی شخص کو اس کے ماں باپ کے کفر و شرک یا کسی عمل کی بناء پر طعنہ نہیں دیا جا سکتا۔ جب یہ سب کچھ درست اور مسلم ہے تو پھر آں حضرت نے ابو جہل کی بیٹی کو "اللہ کے دشمن کی بیٹی" کہہ کر اس کی تحقیر کیوں کی!

میں نے جب سے یہ واقعہ پڑھا ہے سچ جانیے کسی کل چین نہیں ہے، سخت پریشان ہوں خدا کے لئے اور باتوں کا آپ جب چاہیں جواب دیں۔ میرے ان سوالات کا جواب جلد دیجئے، ورنہ اگر میرے ایمان میں خلل آگیا تو اس کی ذمہ داری آپ پر ہی ہوگی!

آپ کی دور افتادہ

آمنہ عفت۔ لاہور

۱۲ر ستمبر ۵۲ء

جواب: کم فرصتی کی وجہ سے آپ کے سوالات کے جو جوابات سرسری طور پر میرے ذہن میں ہیں وہ لکھتا ہوں اگر ان پر آپ نے ٹھنڈے دماغ سے غور کیا تو امید ہے کہ آپ کو بھی اس معاملہ میں وہی اطمینان خاطر حاصل ہو جائے گا۔ جو مجھ کو ہے اور جس طرح یہ واقعہ اور اس کے تمام متعلقات و تفصیلات کتابوں میں پڑھنے کے باوجود مجھ کو اپنے ایمان میں خلل کے پیدا ہو جانے کا کبھی خطرہ نہیں ہوا اسی طرح آپ کا ایمان بھی شک و شبہ کی خلل اندازی سے محفوظ رہے گا۔

اصل جواب سے پہلے چند مقدمات سمجھ لیجئے:

(۱) اسلام دین فطرت ہے۔ یعنی وہ انسانی فطرت کو مسخ نہیں کرتا۔ فطرت کے جذبات اور اس کی خواہشات کو فنا نہیں کرتا بلکہ ان خواہشات کی تسکین کے ذرائع و وسائل کا جائزہ لینے کے بعد ان کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ترتیب و تنظیم کرتا ہے، ان میں جہاں کہیں بے اعتدالی یا اخلاقی گراوٹ ہوتی ہے اسے دور کرتا اور میل و کچیل سے پاک و صاف کر کے انھیں نکھار کر پیش کرتا ہے اس سلسلہ میں وہ مقتضی اور مقتضا اشتہاء اور مشتہی دونوں کی حد بندی ضرور کرتا ہے لیکن اشتہا یا اقتضا کو دبانے اور اسے کچل دینے کا حکم نہیں دیتا۔ مثلاً بھوک اور پیاس سے سیری فطرت کا مطالبہ ہے تو اسلام یہ نہیں کرتا کہ بھوک اور پیاس کو جوگیانہ یا سنیاسیانہ طریقوں پر کم کر دینے یا ان کو دبانے کا حکم دے بلکہ وہ صرف یہ کرتا ہے کہ ایک طرف حلال اور حرام چیزوں کا فرق بیان کر کے ان کی تشخیص و تعیین کر دیتا ہے اور دوسری طرف وہ یہ بھی بتاتا ہے کہ بھوک لگے تو کتنا اور کس طرح کھانا کھانا چاہئیے مثلاً یہ کہ ناپ تناب نہیں کھانا چاہئیے جس سے بدہضمی ہو، اور ہاتھ دھو کر بسم اللہ پڑھ کر داہنے ہاتھ سے اللہ کے رزق کا احترام ملحوظ رکھتے ہوئے کھانا چاہئیے۔ بس جس طرح اسلام فطرت کے اس تقاضے کو فنا نہیں کرتا بلکہ اس کو پورا کرنے کے اسباب و ذرائع کی ترتیب و تنظیم کرتا ہے اسی طرح فطرت کا دوسرا تقاضہ یعنی جنسی خواہش اس کو بھی دبانے یا کچل دینے کا حکم نہیں دیتا۔ بلکہ اس تقاضہ کو کس طرح پورا کرنا چاہئیے؟ اس کی نسبت وہ اپنی تعلیمات پیش کرتا ہے۔

(۲) حضرت علیؓ کا کیا ذکر! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پیغمبر آخر الزماں اور خدا کے نہایت ہی برگزیدہ محبوب ہونے کے باوجود بشر تھے، قرآن مجید میں اس کا نہایت صراحت کے ساتھ ذکر موجود ہے۔ علاوہ بریں اگر آپ بشر نہ ہوتے تو انسانوں کے لئے اسوۂ حسنہ کیونکر ہو سکتے تھے؟ پھر چونکہ بشر بھی سب سے کامل و اکمل تھے اس بناء پر آپ کی بشری طاقتیں اور قوتیں مثلاً آپ کا ذہن اور دماغ، آپ کی بصارت اور سماعت، جسمانی طاقت اور تندرستی، دل کی مضبوطی اور ارادہ کی پختگی سب سے بڑھی ہوئی تھیں اور اس کا نتیجہ یہ تھا کہ آپ کو اپنی اولاد کے ساتھ جو محبت تھی وہ بھی ماں باپ کی عام محبت سے زیادہ تھی، یہ محبت آپ کو اپنی سب ہی اولاد کے ساتھ تھی لیکن حضرت فاطمہ زہرا کہ چشم و چراغ دودمان نبوی اور گوہر یکتائے درج رسالت بنا ہی تھیں ان سے آپ کو اور بھی زیادہ محبت تھی۔ چنانچہ آپ نے متعدد موقعوں پر فرمایا کہ فاطمہ میری ہے یہ مجھ سے ہے میری جگر پارہ ہے" جو شخص اس کو تکلیف پہنچاتا ہے وہ مجھ کو تکلیف پہنچاتا ہے، جو اسے غصہ دلاتا ہے وہ مجھے غصہ دلاتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فاطمہؓ کے ساتھ یہ والہانہ محبت آپ کا نقص نہیں بلکہ کمال ہے اور آپ کے بشر کامل ہونے کا ثمرہ ہے

(۳) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت کرنا یا رکھنا فقہ کی اصطلاح میں فرض و واجب ہو یا نہ ہو مقتضائے ایمان ضرور ہے اور اس ذات ہمہ آیات بینات کے ساتھ جس قدر زیادہ کسی کو عشق ہوگا اسی قدر اس میں ایمان زیادہ ہوگا بلکہ صحیح حدیث میں تو یہ ہے کہ "خدا کی قسم تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن ہی نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے اپنے نفس اور اولاد سے زیادہ محبوب نہ ہوں" اس حدیث کے ساتھ یہ ایک واقعہ بھی یاد رکھئے کہ حضرت عمرؓ نے یہ ارشاد گرامی سننے کے بعد فرمایا کہ "یا رسول اللہ! آپ بے شک مجھ کو میری اولاد سے اور ماں باپ سے زیادہ محبوب ہیں۔ لیکن اب تک میرے اپنے نفس سے زیادہ محبوب نہیں" آنحضرت نے یہ سن کر فرمایا "تو پھر اے عمرؓ! تم اب تک مومن بھی نہیں" اس ارشاد کا زبان مبارک سے ادا ہونا تھا کہ حضرت عمرؓ کے دل کی کائنات یک بیک بدل گئی اور فرمایا کہ "الان یا رسول اللہ" ہاں بے شک اب آپ مجھ کو میرے اپنے نفس سے بھی زیادہ پیارے ہیں" ادھر حضرت عمرؓ نے یہ کہا اور ادھر ارشاد گرامی ہوا "الآن یا عمر!" تو ہاں بے شک تم اب مومن بھی ہو گئے،

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یہ محبت محض عقلی نہیں بلکہ طبعی اور عادی ہونی چاہئے جیسا کہ مندرجہ بالا احادیث اور حضرت عمرؓ کے واقعہ میں "احب من ولدہ و نفسہ" سے معلوم ہوتا ہے

(۴) اس کے ساتھ ہی یہ بھی سمجھ لیجئے کہ محبت عادی و طبعی کا تقاضا کیا ہوتا ہے، فرض کیجئے مجھ کو کسی کے ساتھ غایت محبت ہے تو اس کا نتیجہ یہ ہونا چاہئے کہ شرعی طور پر کسی شے کی اباحت اور اس کے مطلق جواز سے قطع نظر کر کے مجھ کو وہی کرنا چاہئے جس سے میرے محبوب کو خوشی حاصل ہو اور کسی شے کی مطلق اباحت کی آڑ لے کر مجھے وہ کام نہ کرنا چاہئے جو اس کو ناگوار ہو یا تکدر طبع کا باعث ہو، مثلاً مجھ کو طبعاً کوٹ پتلون زیادہ پسند ہے اور شرعاً اس کا پہننا جائز بھی ہے لیکن اگر میرا محبوب اپنے طبعی ذوق کی بنا پر شیروانی زیادہ پسند کرتا ہے تو میری محبت کا یہ تقاضا ہونا چاہئے کہ کوٹ پتلون کے شرعاً مباح اور جائز ہونے کے اور خود اپنی بھی پسند کے باوجود اس کو استعمال نہ کروں اور اس کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بجائے شیروانی ہی پہنوں۔

(۵) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے اقوال و اعمال ہیں جن کا تعلق آپ کی پیغمبرانہ حیثیت سے بالکل نہیں ہے، مثلاً بحیثیت شوہر کے آپ نے ازواج مطہرات سے کوئی بات ارشاد فرمائی اولاد سے بحیثیت باپ کے ساتھیوں سے بحیثیت ایک دوست کے آپ نے کچھ فرمایا یا کوئی کام کیا تو اب اس پر غور کرتے وقت ہمیں آپ کی اس حیثیت کو پیش نظر رکھنا ہوگا اور آپ کی اس حیثیت کو آپ کی پیغمبرانہ حیثیت کے ساتھ خلط ملط کر دینا کسی طرح قرین صواب نہ ہوگا۔ جو معاملہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے وہی معاملہ تمام صحابہ کرام اور حضرت علیؓ کا بھی ہے کہ ان کے کسی قول یا عمل پر غور کرتے وقت ہمیں یہ دیکھنا ہوگا کہ وہ کس حیثیت میں کہا گیا یا کیا گیا ہے۔ اور آیا وہ اسلام کے کسی حکم یا اصل سے ٹکراتا ہے یا نہیں، اگر نہیں ٹکراتا تو بس اس کے درست اور بجا ہونے کے لئے اتنی ہی بات کافی ہے اگرچہ ایک عام اور خارجی نقطۂ نظر سے اس میں تھوڑی بہت بے اعتدالی پائی جائے، یہ بے اعتدالی صرف خارجی نقطۂ نظر سے ہوگی لیکن ایک جج کا فرض ہے کہ وہ کسی قول یا فعل پر محاکمہ کرتے وقت اس کے داخلی اسباب و عوامل اور اس کے باطنی محرکات کو بھی سامنے رکھے۔

اگر یہ مقدمات آپ کے ذہن نشین ہو گئے ہیں تو اب اپنے سوالات کے جوابات نمبروار لیجئے۔

(۱) بلاشبہ حضرت علیؓ کے لئے اس سے بڑھ کر فخر کی کوئی بات نہیں ہو سکتی تھی کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد اور آپ کی سب سے زیادہ محبوب بیٹی کے شوہر تھے لیکن جب آپ حضرت فاطمہ کی اس بلند و اعلیٰ حیثیت پر غور کرتی ہیں تو اس وقت شاید یہ بھول جاتی ہیں کہ حضرت علیؓ ان کے شوہر تھے اور شوہر ہونے کی حیثیت سے ان کا حضرت فاطمہ سے مقدمہ نمبر اول کے بموجب ان توقعات کا قائم رکھنا بجا تھا جو ایک شوہر کو اپنی بیوی سے ہوتی ہیں پھر اس میں بھی ذرا شک نہیں کہ حضرت فاطمہ خود نہایت اعلیٰ اور بلند اخلاق و فضائل کی خاتون تھیں اور اس بناء پر ایک بہترین مثالی بیوی تھیں۔ تاہم دونوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چہیتے اور لاڈلے تھے اور دونوں کے مزاج میں نزاکت بھی تھی اس بنا پر دونوں میں کبھی کبھی رنجش بھی ہو جاتی تھی۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خبر ہوتے ہی صلح صفائی کرا دیتے تھے چنانچہ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ آنحضرت حضرت علیؓ کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گھر میں تشریف لے گئے، باہر آئے تو زیادہ مسرور تھے لوگوں نے وجہ پوچھی تو فرمایا کہ میں نے ان دو شخصوں حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ میں صلح کرادی ہے جو مجھ کو بہت محبوب ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود حضرت فاطمہؓ کی نازک مزاجی سے واقف تھے اور اس وجہ سے وقتاً فوقتاً حضرت فاطمہؓ کو سمجھاتے بھی رہتے تھے، چنانچہ ایک مرتبہ حضرت فاطمہؓ کو کسی بات پر ناگواری ہوئی تو آنحضرت کے پاس حضرت علی کی شکایت لے کر چلیں، پیچھے پیچھے حضرت علیؓ بھی ہو لئے۔ حضرت فاطمہؓ نے شکایت کی تو آپ نے فرمایا بیٹی! "تمہیں خود جاننا چاہئے کہ کون شوہر اپنی بیوی کے پاس چپ چاپ چلا آتا ہے"، حضرت علیؓ یہ سنکر بہت متاثر ہوئے اور حضرت فاطمہؓ سے بولے "میں اب تمہارے مزاج کے خلاف کوئی بات نہ کروں گا" بہر حال یہ نہ بھولنا چاہئے کہ حضرت علیؓ حضرت فاطمہ کے شوہر تھے۔ اور اگر انہوں نے نکاح ثانی کا ارادہ کیا تو وہ اسی حیثیت سے تھا حضرت فاطمہ اگر جگر گوشۂ رسول تھیں تو حضرت علی کو بھی یہ شرف تھا کہ وہ آپ کے چچا زاد بھائی اور پہلے مسلمان لڑکے اور آنحضرتؐ کے محبوب تھے۔ دونوں کو آنحضرت کی محبت پر ناز تھا اور جب جانبین میں ناز ہوتا ہے تو ایک ہی جگہ رہنے سہنے کے باعث ٹکراؤ بھی ہو ہی جاتا ہے اور جب ٹکراؤ ہوتا ہے تو اگر شوہر کے دل میں کبھی نکاح ثانی کا خیال پیدا ہو جائے تو کون سی مستبعد بات ہے۔ یہ تصادم اور کشمکش بسا اوقات اس وقت پیدا ہوتی ہے جبکہ شوہر میں یا بیوی میں باہمی تعلق کے اعتبار سے دو مختلف حیثیتیں جمع ہوں چنانچہ عشق و محبت کی شادیاں جو عام طور پر ناکام رہتی ہیں ان کی وجہ یہی ہوتی ہے کہ بیوی شادی سے قبل محبوبہ اور اس حیثیت سے وہ گویا مخدومہ ہوتی ہے لیکن شادی کے بعد شوہر قوام بن جاتا ہے تو اب معاملہ برعکس ہو جاتا ہے اور کشمکش شروع ہو جاتی ہے۔ (۲) جیسا کہ مقدمہ نمبر ۲ میں بتایا جا چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بشر تھے اور نہایت کامل بشر اور حضرت فاطمہؓ کے ساتھ آپ کو حد درجہ محبت تھی اس بنا پر حضرت علی کے نکاح ثانی کے ارادہ سے آپ کا رنجیدہ ہونا بالکل فطری اور طبعی امر تھا۔ پھر جیسا کہ مقدمہ نمبر ۳ میں کہا گیا اگر حضرت علی کا کوئی فعل اس رنجیدگی کا سبب بنتا تو اس سے خود حضرت علی کا ایمان خطرہ میں پڑ جاتا اس بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادہ غصہ آیا۔ اور آپ نے مسجد میں جا کر اس کا اعلان فرمایا پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غصہ کی دو وجہیں تھیں ایک کا تعلق آپ کے باپ ہونے کی حیثیت سے تھا اور دوسری کا تعلق آپ کی پیغمبرانہ حیثیت سے تھا۔ اس بنا پر آپ کو جتنا بھی ملال اور رنج ہوتا کم تھا چنانچہ صحیح بخاری میں اس موقع پر آپ کے خطبہ کے جو الفاظ مروی ہیں ان میں آپ نے یہ صاف صاف فرمایا ہے کہ میں حلال کو حرام یا حرام کو حلال کرنے نہیں کھڑا ہوا ہوں۔ ان میں اشارہ اسی بات کی طرف ہے کہ حضور کے ارشاد کا مطلب یہ ہرگز نہیں تھا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہ آپ حضرت علیؓ کے لئے تعدد ازدواج کو ممنوع قرار دے رہے تھے، بلکہ بات صرف یہ تھی کہ حضرت فاطمہ کے دکھ سے آپ کو دکھ ہوتا اور اس دکھ کا باعث جب حضرت علیؓ بنتے تو ان کا ایمان خطرہ میں پڑ جاتا۔

اللہ اکبر! ذرا غور کیجئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مذکورہ بالا فقرہ کس طرح آپ کے رسول صادق و مصدوق ہونے کی گواہی دے رہا ہے ورنہ حضرت فاطمہ جیسی نور نظر و لخت جگر بیٹی کا معاملہ! آپ فوراً یہ حکم بھی دے سکتے تھے کہ دختر رسول پر سوکن لانا حرام ہے! یہ سب کچھ نہیں ہے اور آپ صرف ایک محبت سے بھرے باپ کی طرح اپنے طبعی رنج و آزردگی کا اظہار فرما رہے ہیں اور اس کی داد عام مسلمانوں سے چاہتے ہیں۔

بلغ العلیٰ بکمالہ کشف الدجیٰ بجمالہ

حسنت جمیع خصالہ صلوا علیہ وآلہ

اس واقعہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی سے آپ کا متعجب ہونا ایسا ہی ہے جیسا کہ بعض صحابہ کو اس وقت ہوا تھا جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے ابراہیم پر جان کنی طاری تھی۔ آنحضرت نے ان کو اپنی گود میں لے لیا اور اسی عالم میں باغ رسالت کا وہ غنچہ نو دمیدہ قبل از وقت موت کی باد خزاں کے ایک جھونکے سے کمہلا کے رہ گیا اور مرغ روح کی ایک پرواز نے اس ننھے سے جسم کا رشتہ اس کی جان سے منقطع کر دیا۔ سرور کائنات کے قلب مبارک میں رنج و غم کی ایک لہر اٹھی اور آنکھوں سے بے ساختہ آنسو ٹپک پڑے، کسی نے کہا "یا رسول اللہ! آپ بھی روتے ہیں" تو ارشاد حق بنیاد ہوا کہ "کیا میں محبت کرنے والا باپ نہ ہوں" پھر جگر گوشہ کی ننھی سی لاش کو خطاب کر کے ارشاد ہوتا ہے "اے ابراہیم ہم تمہاری جدائی سے غمگین ضرور (لمحزونون) ہیں لیکن اللہ کی رضا پر رضامند ہیں" آپ نے دیکھا یہ ہے وہ مقام عبودیت و بندگی جہاں اسلام فطرت انسانی کو اس کے اصل جذبات و مطالبات کو قائم رکھتے ہوئے لا کھڑا کرتا ہے اور اس کو مسخ کر کے سنیاسی نہیں بننے دیتا۔

(۳) اب رہا آپ کا تیسرا سوال! تو میرے خیال میں اس کی نسبت کچھ کہنے کی ضرورت نہیں رہی ہے اگر مذکورہ بالا دونوں سوالات کے جوابات آپ کی سمجھ میں آگئے ہیں تو اس تیسرے سوال کا جواب بھی خود بخود آپ سمجھ گئے ہوں گے اس میں شک نہیں کہ حضرت فاطمہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور حضرت فاطمہؓ کے ساتھ آنحضرتؐ کی غایت محبت کے علم کے باوجود حضرت علیؓ کا نکاح ثانی کا ارادہ ایک بڑی جسارت تھی۔

پھر حضرت علیؓ کے مزاج میں جو خود رائی اور یک گونہ ضد تھی (جو زندگی بھر ان کے کاموں میں ظاہر ہوتی رہی اور جس کی وجہ سے وہ خلافت کے بار گراں سے حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ رضی اللہ عنہما کی طرح کامیابی کے ساتھ عہدہ برآ نہیں ہو سکے) آں حضرت اس سے بھی بے خبر نہ تھے۔ اس بنا پر ضرورت تھی کہ حضرت علیؓ کو اس ارادہ سے باز رکھنے کے لئے آنحضرت سخت قدم اٹھاتے۔ مرض جتنا شدید ہوتا ہے دوا بھی اسی قدر تیز دی جاتی ہے پس ابو جہل کی بیٹی کی نسبت آنحضرت کا ارشاد خود اس کی تحقیر کے لئے نہیں ہے۔ بلکہ حضرت علیؓ کو سختی سے نکاح ثانی کے ارادہ سے روکنے کے لئے ہے اور یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ اور حفصہؓ رضی اللہ عنہما نے حضرت صفیہؓ سے انہیں چھیڑنے کی غرض سے کہا کہ ہم رسول اللہ کی بیوی بھی ہیں اور چچا زاد بہن بھی اس لئے ہم تم سے زیادہ معزز اور آں حضرت کے مقرب ہیں“ اس کے بعد آنحضرت گھر میں تشریف لائے تو حضرت صفیہ نے شکایت کی اور سارا ماجرا کہہ سنایا، آپ نے فرمایا ”صفیہ! تم نے انھیں یہ جواب کیوں نہیں دیا کہ تم مجھ سے زیادہ معزز کیوں کر ہو سکتی ہو! میرے شوہر محمدؐ ہیں میرے باپ موسیٰؑ اور چچا ہارونؑ تھے“ ظاہر ہے کہ اس واقعہ میں حضرت صفیہؓ کو آں حضرتؐ کی تلقین کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ اسلام میں نسب پر فخر کرنا اور دوسروں کے مقابلہ پر اپنی اس طرح برتری جتانا جائز ہے۔ بلکہ یہ صرف ایک طرح کی چھیڑ چھاڑ اور نوک جھونک تھی اور اس کو بس اسی حد تک محدود رہنا چاہئیے، حضرت عائشہؓ حضرت حفصہؓ اور حضرت صفیہؓ کی گفتگو تھی۔ اور حضرت صفیہؓ سے آنحضرتؐ کا ارشاد بحیثیت شوہر کے تھا ——

”کوئی تو بات ہنسی کی نکلے“ زندگی کا ہر وقت سنجیدہ بنا رہنا بھی آخر کیا زندہ رہنا ہے۔

اسلام میں تعدد ازدواج مباح اور جائز ہے لیکن اس اباحت سے مسلمانوں نے من حیث القوم اسلام کی تعلیمات کی اصل اسپرٹ کے خلاف کس قدر ناجائز فائدہ اٹھایا ہے اس کو تاریخ کے صفحات میں تلاش کیجئے کتنی بڑی بڑی اور عظیم الشان سلطنتیں تھیں جو محض تعدد ازدواج اور اہل کتاب کی عورتوں کے ساتھ شادی کے باعث مٹ گئیں چنانچہ یہی وجہ تھی کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ کو ایک صحابی کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صحابی کے متعلق معلوم ہوا کہ انہوں نے ایک کتابیہ عورت سے شادی کر لی ہے تو شرعاً اس کے جواز کے باوجود آپ سخت برہم ہوئے اور آپ نے انہیں حکم دیا کہ فوراً طلاق دو اور ساتھ ہی فرمایا کہ اگر تم لوگ اسی طرح ان عورتوں سے شادی بیاہ رچانے لگے تو یہ عرب کی دوشیزہ لڑکیاں کہاں جائیں گی۔ بہرحال تعددِ ازدواج اگرچہ مباح ہے لیکن حضرت علیؓ کے نکاح ثانی کے ارادہ پر آنحضرتؐ کی تقریر اس امر پر بھی متنبہ کر رہی ہے کہ اس اباحت سے اس وقت فائدہ اٹھانا چاہیئے جب کہ اس کی واقعی کوئی ضرورت ہو۔ اگر حضرت علیؓ کا ایسا ارادہ تھا تو انہیں بتانا چاہیئے تھا کہ حسن و جمال، جوانی اور تندرستی، اخلاق و فضائل۔ سلیقہ شعاری اور سگھڑاپا۔ شوہر کی اطاعت شعاری اور فرمانبرداری۔ اولاد کی حسنِ تربیت اور ان کی نگرانی اعلیٰ حسب اور نسب ان میں سے آخر کون سے جوہر کمال کی حضرت فاطمہؓ میں کمی تھی جس کے باعث وہ ابوجہل کی بیٹی سے شادی کرنے چلے تھے تعددِ ازدواج مباح اور جائز ہے تو اس کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ بیوی سے ذرا ناراضگی ہوئی اور شوہر نے جھٹ اس کے چھاتی پر مونگ دلنے کے لئے ایک سوکن لا بٹھائی۔ یہ مذہب کے ہمہ گیر احکام کی وسعتوں کی آڑ میں وہ ہوس رانی ہے جس کے خلاف چارہ جوئی قانونی عدالتوں میں نہ ہو سکے تو نہ ہو۔ اللہ اور اس کے پیغمبر کے سامنے پروان نہیں چڑھ سکتی۔

علاوہ بریں آنحضرتؐ نے ابوجہل کی بیٹی اور حضرت فاطمہؓ کا موازنہ کرتے ہوئے جو ارشاد فرمایا غور کیجیے تو اس میں ایک نہایت دقیق اور غامض حقیقت کی طرف اشارا ہے۔ یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ اسلام میں تعددِ ازدواج کی جو اجازت ہے وہ مطلقاً نہیں ہے بلکہ دونوں میں عدل قائم رکھنے کی شرط کے ساتھ مشروط ہے۔ اس عدل کا مطلب عام طور پر یہی سمجھا جاتا ہے کہ دونوں بیویوں میں کھانے پینے اور لباس وغیرہ کے معاملات میں برابری قائم رکھنا اور بس! لیکن آنحضرتؐ کا یہ ارشاد اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ عدل بین الزوجتین صرف مذکورۂ بالا اشیاء میں مساوات قائم رکھنا ہی نہیں ہے۔ بلکہ عدل کے مفہوم میں یہ بھی داخل ہے کہ دونوں بیویاں حسب و نسب اور خاندانی اعزاز و وقار کے لحاظ سے برابر ہوں۔ ورنہ فرض کیجیے ایک شوہر کی پہلی بیوی بہت اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھتی ہے اور اس بنا پر نہایت مہذب۔ شائستہ اور سلیقہ مند عورت ہے۔ اب اگر شوہر اس پر کسی ایسی عورت کو سوکن بنا کر لائے جو سر جھاڑ منہ پھاڑ ہو۔ بدسلیقہ اور بداطوار ہو۔ اور کسی ہیچ

© rasailojaraid.com